© rasailojaraid.com

شبیر احمد خاں غوری

علم منطق
ایک تاریخی جائزہ

منطق ہماری تعلیمی تاریخ کا ایک اہم موضوع رہی ہے اور آخر میں اس صدی کے ثلث اول میں تو ہماری قدیم درس گاہوں کے نصاب پر منطق ہی منطق چھا کر رہ گئی تھی، حالاں کہ ایک زمانہ وہ بھی تھا جبکہ من تمنطق تزندق کے مصداق اس میں اہتمام و مشغولیت الحاد و بددینی کا پیش خیمہ سمجھے جاتے تھے اور اسے انتہائی معتوب بلکہ مبغوض بتایا جاتا تھا۔ اس انقلاب اقدار کی داستان یقیناً بڑی دلچسپ ہو گی۔ نظر بریں اسلامی فکر میں منطق کے داخلہ سے لے کر موجودہ صدی تک اس کے رد و قبول کا ایک مختصر جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔ و باللہ التوفیق۔

منطق کی حقیقت و ماہیت

منطق کو بعض حضرات "کج بحثی" اور "کٹ حجتی" کا مترادف سمجھتے ہیں، حالانکہ اس کے اصول و قواعد کی مراعات فکر انسانی کی صحت کی ضامن ہے۔ اس لیے اس کی منطقی تعریف بدیں طور کی گئی ہے:

المنطق آلۃ قانونیۃ تعصم مراعاتہا الذھن عن الخطاء فی الفکر۔[1]

منطق ایک آلہ قانونیہ ہے جس (کے اصول و قواعد) کی مراعات ذہن کو خطائے فکری سے محفوظ رکھتی ہے۔

اس تعریف سے چند باتیں صاف ہو جاتی ہیں:

۱۔ منطق خواہی نخواہی انسان کو فریق مخالف کے مقابلے میں بحث و مباحثہ کے اندر غلبہ دلانے کا ذریعہ نہیں ہے۔

۲۔ وہ اسے غور و فکر سکھانے کی بھی مدعی نہیں ہے (یہ ملکہ تو خود انسان کی فطرت ہی میں مرکوز ہے)

۳۔ نہ وہ براہ راست اسے فکر صحیح کی تعلیم دیتی ہے۔

۴۔ ہاں جب اس کی فکر یا استدلال صحیح جہت سے بھٹکنے لگتے ہیں تو انھیں ان کی خطا فکری پر متنبہ کر دیتی

---

[1] قطبی، شرح شمسیہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے اور واضح اور متعین طور پر ان کی تفکیری غلطی کی نشاندہی کر دیتی ہے۔ اس طرح وہ بالواسطہ صحیح غور و فکر میں اعانت کرتی ہے۔

مزید تفصیل آگے آ رہی ہے۔

منطق کا آغاز

منطق علی اصح الاقوال فلسفہ و حکمت ہی کا جزء ہے اور فلسفہ کے بارے میں یہ سوال بیکار ہے کہ وہ کب اور کہاں پیدا ہوا۔ فلسفہ بدو آفرینش سے انسان کے ساتھ موجود رہا ہے، چنانچہ کننگھم کہتا ہے:

"اس طرح فلسفہ براہِ راست زندگی اور اس کی ضرورتوں کے نتیجہ میں پیدا ہو کر ترقی کرتا ہے۔ ہر انسان جو زندگی بسر کرتا ہے، کسی نہ کسی حد تک فلسفی ہے، بشرطیکہ وہ غور و فکر کی زندگی گزارتا ہو۔"

لیکن فلسفہ بشمول اپنے جملہ اقسام و اجزاء کے بیک وقت وجود میں نہیں آیا، بلکہ امتدادِ زمانہ کے ساتھ تمدنی ضرورتوں کے پیشِ نظر اس کے محتویات کی ثروت میں اضافہ ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ انسانی ذہن نئے نئے علوم وضع کرتا رہا ہے اور کرتا رہے گا۔

آرائشِ جمال سے فارغ نہیں ہنوز ۔۔۔ پیشِ نظر ہے آئینہ دائم نقاب میں

منطق بھی ایک مستقل علم کی حیثیت سے ارسطو کی کاوشِ فکر کے نتیجہ میں ظہور پذیر ہوا (تفصیل آگے آ رہی ہے)۔ اس سے پہلے DIALECTICS (جدلیات) کا تو پتا چلتا ہے (جو مناظرہ بازی کا دوسرا نام تھا)۔ سائنٹفک علم المنطق کا نہیں۔ اُسی (ارسطو ہی) نے فکرِ صحیح کے ان پیمانوں کو جو نہاں خانۂ لاشعور کے اندر نمائی حالت میں پڑے ہوئے تھے، بالخصوص (SYLLOGISM) یا قیاس کو ایک باقاعدہ اور منظم علم کی حیثیت سے مدون کیا۔ لہٰذا یہ اعتراض صحیح نہیں ہے جیسا کہ مشہور انگریز فلسفی جان لاک (المتوفی ۱۷۰۴ء) نے کیا تھا۔

"اگر قیاس (SYLLOGISM) ہی کو تفکیر صحیح کا آلہ اور حصولِ علم کا وسیلہ سمجھا جائے تو لازم آئے گا کہ ارسطو سے پہلے کوئی انسان ایسا نہیں تھا جو غور و فکر کے ذریعہ کوئی بات دریافت کر سکے، لیکن خدائے تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ انسان کو دو ٹانگوں والی مخلوق بنا کر اپنا کام ختم کر دے اور انھیں عقیل و فہیم بنانے کا کام ارسطو کے لیے چھوڑ دے۔"

کیونکہ بقول وائلے:

"اگر ہاروے (HARVEY) کے انکشاف دورانِ خون کی قدر شناسی یہ کہہ کر کی جا سکتی ہے کہ اس نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انسان کی رگوں میں خون دوڑ ایا تو ارسطو کے متعلق بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس نے انسان میں ملکۂ تفکیر کو پیدا کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ لوگ ارسطو سے پہلے بھی غور و فکر کرتے تھے اور چونکہ لاشعوری طور پر ان بنیادی اصولوں کی مراعات کرتے تھے جو فکر صحیح کی شرائط لازمہ ہیں، اس لیے ان کا استدلال و استنتاج عموماً صحیح ہوتا تھا لیکن جہاں ان اصولوں کی مراعات میں ان سے چوک ہو جاتی، وہیں ٹھوکر کھا جاتے۔ ٹھوکر کھانا تو اتنا بُرا نہیں، مگر مشکل یہ تھی کہ ان "وہ زِل اقدام" پر تنبیہ کا ان کے پاس کوئی ضابطہ نہ تھا۔ اس لیے یا اصرار علی الباطل پر جمے رہتے یا کٹ حجتی پر اُتر آتے۔ اس مشکل کو ارسطو نے حل کیا۔ اس کی توضیح امثلۂ ذیل سے ہوگی:

۱۔ ارسطو سے پہلے اس کا استاد افلاطون الفاظ کا صحیح مصداق متعین کرنے پر زور دیتا تھا۔ لہٰذا اس کے ایک شاگرد نے اس سے "انسان" کی تعریف پوچھی۔ افلاطون نے کہا:

"بے پر والی دو ٹانگوں کی مخلوق"

بات غلط بھی نہیں ہے۔ انسان دو ٹانگوں والی ہی مخلوق ہے اور اس کے پر بھی نہیں ہوتے۔ شاگرد کو شرارت سوجھی۔ اس نے ایک مرغ لے کر اس کے پر نوچ ڈالے اور سارے شہر میں دکھاتا پھرا کہ یہ ہے "افلاطون کا انسان"۔

لیکن آج منطق کا ایک ذہین طالب علم فوراً کہے گا کہ یہ تعریف ہی غلط تھی۔ منطقی تعریف کو جنس قریب اور فصل قریب سے مرکب ہونا چاہیے۔ دو ٹانگوں والا یا پیروں سے خالی ہونا، انسان کے عوارض ہیں، اس کی ماہیت کے اجزاء حقیقی نہیں۔ یہ ہے سبب اس مغالطہ کا۔

اور یہ جنس اور فصل، قریب و بعید، اجزاء حقیقی اور عوارض کی تدقیق یا حدِ تام کی جنس قریب اور فصل قریب سے ترکیب ارسطاطالیسی منطق ہی کی دین ہیں۔

۲۔ قبل ارسطاطالیسی فلسفہ میں جس کے زمانہ کو ملا محمود جون پوری نے "قبل استقرار عرض الحکمۃ" سے اور اس کی تفکیری سرگرمیوں کو ظن و تخمین سے تعبیر کیا ہے، حقیقت "زمان" کے بارے میں جو مختلف مذاہب مروّج تھے، ایک قول یہ تھا کہ "فلکِ اعظم" ہی زمانہ ہے۔ اس مذہب کے قائلین کا استدلال تھا کہ:

کل جسم فی فلک وکل جسم فی زمان۔

ہر جسم فلکِ اعظم کے اندر ہے (ہر جسم کو فلکِ اعظم احاطہ کرتا ہے)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور ہر جسم زمانہ کے اندر ہے (ہر جسم کو زمانہ احاطہ کیے ہوئے ہے)

فی الفلک ھو الزمان۔

پس فلک ہی زمانہ ہے۔

مگر ایک منطقی فوراً اس استدلال کی تغلیط کرے گا۔ وہ کہے گا یہ دلیل ناقابلِ تسلیم ہے۔ کیوں کہ صورۃ یہ منطق کی "شکل ثانی" ہے۔ جس کے قابل انتاج ہونے کے لیے کلیت کبریٰ کے ساتھ دونوں مقدموں (صغریٰ اور کبریٰ) کا کیف (ایجاب وقبول) میں مختلف ہونا ضروری ہے۔ یہاں کبریٰ کلیہ ضرور ہے مگر مقدمتین (صغریٰ اور کبریٰ) دونوں ہی موجبہ ہیں۔ ان سے کوئی نتیجہ ہی نہیں نکل سکتا۔[۵۲]

یہ شکل اول وثانی وغیرہ کا تعین اور ان کے قابل انتاج ہونے کی شرائط ارسطو ہی کی کاوش ذہنی کا نتیجہ ہیں، جن کی اس سے پہلے کسی فلسفی کو ہوا تک نہیں لگی تھی۔

غرض ارسطو سے پہلے لوگ یقیناً غور وفکر کرتے تھے، ان کا استدلال اور استنتاج صحیح بھی ہوتا تھا اور غلط بھی۔ مگر مشکل یہ تھی کہ ان اغلاط پر تنبیہ کا ان کے پاس کوئی ضابطہ نہ تھا۔ اس مشکل کو ارسطو نے حل کیا۔ اس نے فکر صحیح کے قوانین کو بڑی دقتِ نظر سے مدون کیا اور اس طرح علم منطق کا آغاز کیا۔

ارسطو کا مقام

ارسطو صرف یونانی فلسفہ ہی کا ممثل اعظم نہیں ہے، عالمی فلسفہ کی تاریخ میں بھی ایک نمایاں مقام رکھتا ہے۔ اس مقام کو سمجھنے کے لیے یونانی فلسفہ کی تاریخ پر ایک طائرانہ نظر ڈالنا مستحسن ہوگا:

یونانی فلسفہ کی ابتدا ثالیس الملطی سے ہوئی جس کا زمانہ ۶۲۴ - ۵۴۸ ق۔م ہے اور انتہا ۵۲۹ء میں جبکہ قیصر جسٹینیان کے حکم سے ایتھنز کا مدرسہ فلسفہ بند کر دیا گیا اور معلمین فلسفہ ایران میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔ اس گیارہ سو سال کی طویل مدت کو چار ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ قبل سقراطی دور یا اہل الطبائع PHYSICISTS کا زمانہ۔

۲۔ یونانی فلسفہ کا طلائی دور یا سقراط، افلاطون اور ارسطو کا زمانہ۔

۳۔ بعد ارسطاطالیسی دور یا متشککین، ابیقوریہ اور رواقیہ کا زمانہ۔

۵۲۔ ملا محمود جون پوری: الشمس البازغہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴- یونانی فلسفہ کا آخری دور، یا یونانی یہودی فلسفہ، نو فیثا غورثیت اور نو فلاطونیت کا زمانہ۔

(۱) قبل سقراطی دور کے اہل الطبائع کی تفکیری سرگرمیاں اس محور کے گرد گردش کرتی رہیں کہ کائنات کا مبداء اوّلین کیا ہے۔ ان کے تین طبقے ہیں:

پہلا طبقہ حکمائے ملطیہ کا تھا۔ یہ لوگ قوامِ کائنات کے لیے مبداء واحد پر زور دیتے تھے۔ ثالیس جو یونانی فلسفہ کا مفتتح ہے، اسے پانی قرار دیتا تھا۔ ثالیس کا شاگرد (ANAXIMANDER) اُسے مادۂ غیر متمیز (UN-DIFFERENTIATED MATTER) بتاتا تھا اور موخر الذکر کا شاگرد انکسیمنس (ANAXIMENES) اسے ہوا سمجھتا تھا۔ دوسرے طبقہ کے سامنے یہ نیا مسئلہ تھا کہ اگر کائنات کی اصل واحد ہے تو اس سے مختلف اشیا کس طرح پیدا ہوئیں؟ ایلیائی فلاسفہ نے اس کا جواب حدوث و تغیر کے انکار سے دیا۔ اس کے برعکس ہراقلیطس (HERACLITUS) نے تغیر ہی کو سب کچھ سمجھ لیا۔ وہ آگ کو مبداء اوّلین کائنات سمجھتا تھا۔

تیسرے اور آخری طبقہ میں بنیادی مسئلہ کو مبدأ واحد کی بجائے "مبادی اولیا" کی کثرت سے حل کیا گیا۔ انبذقلیس (EMPEDOCLES) نے "عناصر اربعہ" کو اصل کائنات بتایا، دیمقراطیس (DEMOCRITUS) نے "لا یتجزیٰ" یا سالمات (ATOMS) کو اور انکساغوراس (ANAXAGORAB) نے "جراثیم" کو۔ مشرقی یونان کے ان حکمائے طبیعین نے کائنات کی اصل مادی مبادی ہی میں تلاش کی، لیکن دورِ مغرب میں فیثا غورث نے اسے "مجردات" میں ڈھونڈا۔ اس کے نزدیک "عدد" ہی کائنات کی اصل ہے۔

مگر حکمائے قدیم کی اس "ادعائیت" نے ذہن انسانی کی اُس صلاحیت ہی کو ماؤف کر دیا جو ادراکِ حقائق کی اہل ہے، لہٰذا اس "تحکمیت" (DOGMATISM) نے فرقۂ سوفسطائیہ کی "ارتیابیت" کو جنم دیا۔ نتیجہ میں بعض لوگ جیسے گورگیاس (GORGIAS) نے سرے سے حقائق ہی کا انکار کر دیا [عنادیہ]، بعض انھیں تابع اعتقادات بتانے لگے [عندیہ] اور بعض متشکک (SCOPTICS) ہو گئے [لا ادریہ]۔

(۲) یونانی فلسفہ کا طلائی دور۔ اس دور کا مفتتح سقراط ہے جس نے سوفسطائیوں کے ادعائے ہمہ دانی کے ردِ عمل کے طور پر اپنی توجہ معمائے کائنات کے سلجھانے کے بجائے بقول مسعودی نفسِ انسانی کی اصلاح پر مرکوز کر دی۔ اس کے نزدیک "نیکی ہی علم ہے۔"

سقراط کا شاگردِ رشید افلاطون (PLATO) تھا جو استاد کی وفات (۳۹۹ ق-م) پر مصر چلا گیا تھا جہاں پیروانِ فیثا غورث کی تعلیم سے متاثر ہوا۔ فیثا غورث "عدد" کو اصل کائنات بتاتا تھا۔ افلاطون کی مادیت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیزاری نے نئے استاد کی تقلید میں "تصوراتِ کلیہ" یا "کلیات" (IDEAS) کو اصل کائنات قرار دیا جو آگے چل کر "مثل افلاطونی" اور "اعیانِ ثابتہ" کہلائے۔

افلاطون کا شاگرد "ارسطو تھا جو یونانی فلسفہ کا ممثل اعظم ہے۔

[بعد کے ادوار کی تفصیل آگے آرہی ہے]

غرض یونانی فلسفہ کا بانی و مفتتح تالیس الملطی ہے، تالیس کا شاگرد انکسیمندر تھا اور بقول مورخ فلسفہ ویبر (WEBER) انکسیمندر کا شاگرد فیثاغورث[۵۳] تھا۔ پیروانِ فیثاغورث اپنے سلاسل تلمذ کا باقاعدہ ریکارڈ نہیں رکھا کرتے تھے مگر اتنا متحقق ہے کہ انہی پیروانِ فیثاغورث سے افلاطون نے اپنی سیاحتِ مصر کے دوران میں خوشہ چینی کی اور افلاطون کا شاگردِ رشید ارسطو تھا۔

اس طرح فلسفہ و حکمت کا جو سلسلہ تالیس الملطی سے شروع ہوا، ارسطو اس کا واسطہ العقد ہے۔

یونانی فلسفہ کا ممثلِ اعظم۔ ارسطو

ارسطو شہر اسطاغیرا (STAGIRA) کے اندر ۳۸۴ ق۔م میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ نیقوماخس (NI-COMACHUS) شاہ مقدونیہ کا طبیب تھا۔ اٹھارہ برس کی عمر میں وہ ایتھنز آیا اور افلاطون کے حلقۂ درس میں داخل ہوا۔ سریانیوں میں اور ان کی تقلید میں مسلمانوں کے یہاں مشہور تھا کہ اس کے باپ نے بوثیون کے مندر میں وحی آسمانی سنی، جس کے اندر اسے حکم دیا گیا تھا کہ وہ ارسطو کو لے جا کر افلاطون کے سپرد کر دے۔ چنانچہ ابن القفطی نے بطلیموس الغریب سے روایت کی ہے:

قال بطلیموس الغریب ان تسلیم ارسطوطالیس الی افلاطون کان بوحی من اللہ فی ھیکل بوثیون۔

بطلیموس الغریب نے لکھا ہے کہ ارسطو کے باپ نے اسے افلاطون کی شاگردی میں وحی الٰہی کے مطابق داخل کیا تھا جو اس نے بوثیون کے مندر میں سنی تھی۔

افلاطون کے مدرسہ میں وہ اس کی وفات تک رہا۔ ابن القفطی اس زمانۂ تعلیم کو بیس سال بتاتا ہے اور کہتا ہے کہ جب افلاطون مسلی گیا تھا تو اس کی عدم موجودگی میں اکادیمیا کے اندر اس کے نائب کی حیثیت سے تعلیم و

---

[۵۳] ابنِ القفطی: تاریخ الحکما، ص ۳۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تدریس کے فرائض انجام دیتا رہا۔[54]

۳۴۲ ق م میں وہ مقدونیہ کے دربار میں اسکندر کی تعلیم کے لیے بلایا گیا اور وہاں اس وقت تک مقیم رہا، جبکہ اسکندر ایشیائی فتوحات کے لیے روانہ ہوا۔ ابن القفطی نے روایت کی ہے کہ اسکندر کا وزیر مشیر تھا اور اس کی ہدایت کے مطابق اسکندر سلطنت کا انتظام کرتا تھا، اسی کے مشورے سے بادشاہ نے ملک میں شرک و بت پرستی کا استیصال کیا، نیک باتوں کی اشاعت کی اور عدل و انصاف کا بازار گرم کیا۔ ارسطو نے اسکندر کو بہت سے خطوط لکھے تھے جو بعد میں مدون کیے گئے۔[55] ان خطوط کے ایک مجموعہ کا دوسری صدی ہجری کے آغاز میں اموی دربار کے ایک کاتب سالم بن عطا نے عربی میں ترجمہ بھی کیا تھا۔[56]

ارسطو ۳۳۴ ق م میں ایتھنز واپس آیا اور لائیشین اپولو کے جمنازیم میں اپنا مدرسہ کھولا جو (LYCEUM) کہلایا، کیونکہ وہاں ارسطو ٹہل ٹہل کر درس دیا کرتا تھا اور اسی لیے اس کے PERIPATETIC SCHOOL متبعین "مشائیہ" کہلاتے ہیں۔

ارسطو نے ۳۲۲ ق م میں وفات پائی۔

ارسطو افلاطون کے شاگردوں میں سب سے ممتاز تھا، چنانچہ قاضی صاعد اندلسی نے لکھا ہے:[57]

وکان افلاطون یوثرہ علی سائر تلامیذہ و یسمیہ العاقل۔

افلاطون، ارسطو کو اپنے سارے شاگردوں پر ترجیح دیتا تھا اور اس کو دانش مند کے نام سے یاد کیا کرتا تھا۔

ارسطو نہ صرف عالمی فلسفہ و حکمت کی تاریخ میں اہم ترین شخصیت ہے، اسلامی فلسفہ کی تاریخ میں بھی اونچا مقام رکھتا ہے۔

چنانچہ قاضی صاعد اندلسی نے اس کے بارے میں لکھا ہے:

---

[54] ابن القفطی: تاریخ الحکماء، ص ۳۲: ومکث فی التعلیم عشرین سنۃ وانہ لما غاب افلاطون الی صقلیہ، کان ارسطوطالیس یخلفہ علی دار التعلیم۔

[55] ایضاً، ص ۲۹: وکان ارسطوطالیس معلم الاسکندر بن فیلبس ملک مقدونیہ وبآدابہ عمل فی سیاسۃ رعیتہ وسیرۃ ملکہ وانقمع بہ الشرک فی بلاد الیونانیین وظہر الخیر وفاض العدل ولارسطوطالیس الیہ رسائل کثیرۃ معروفۃ مدونۃ۔

[56] ابن الندیم: کتاب الفہرست [57] قاضی صاعد اندلسی: طبقات الامم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

والی ارسطاطالیس انتہت فلسفۃ الیونانیین وھو خاتم حکمائھم وسید علمائھم [۵۸]

اور ارسطو پر یونانیوں کا فلسفہ ختم ہوگیا۔ وہ ان کے حکما کا خاتم اور ان کے علما کا پیشوا ہے۔

مسلمانوں میں یونانی حکمت اور ارسطو مترادف سمجھے جاتے تھے، چنانچہ جب خلیفہ مامون کا میلان فلسفہ کی جانب حد سے زیادہ ہوگیا تو خواب میں اس نے جس حکیم کی شکل اختیار کی وہ ارسطو ہی تھا [۵۹] یہی وجہ ہے کہ جب امام غزالی نے فلسفہ کا رد کرنا چاہا تو یونانی فلسفہ کے بے شمار اساطین میں سے انھوں نے اس کام کے لیے صرف ارسطو ہی کے فلسفہ کو منتخب کیا، جیسا کہ "تہافت الفلاسفہ" کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

لیعلم ان الخوض فی حکایۃ اختلاف الفلاسفۃ تطویل ... فلنقتصر علی اظہار التناقض فی رأی مقدمہم الذی ھو الفیلسوف المطلق والمعلم الاول فانہ رتب علومہم وھذبہا بزعمہم وحذف الحشو من آرائہم وانتقی ما ھو الاقرب الی اصول اھوائہم وھو ارسطوطالیس [۶۰]۔

جاننا چاہیے کہ فلاسفہ (یونان) کے اختلافات میں غور وخوض تطویل لاطائل ہے ... لہٰذا ان کے پیشوا کی رایوں میں جو تناقض ہے، ہم اسی کے اظہار پر اکتفا کریں گے۔ یہ پیشوا ارسطو ہے جو فلسفی علی الاطلاق اور معلم اوّل ہے۔ اسی نے ان کے علوم کو مرتب کیا اور ان کے گمان کے مطابق اس کی تہذیب کی، نیز اس کے حشو و زوائد کو حذف کیا اور جو چیز ان کے اصولی مزعومات و مظنونات کے قریب ہے، اسے منتخب کیا۔ اور وہ عظیم فلسفی ارسطو ہے۔

یوں بھی قسام ازل نے یہ شرف ارسطو ہی کے لیے مقدر کیا تھا کہ اس کے فلسفیانہ نظام کو بہ دیرپائی نصیب ہو۔ ارسطو کے بعد بھی یونان میں مشاہیر فلاسفہ پیدا ہوئے جیسے ثاؤفرسطس، اسکندر افرودیسی، ثامسطیورس اور خود اسلامی فکر میں ابونصر فارابی۔ مگر ان افاضل نے باوجودیکہ ان میں کا ہر فرد اپنے عہد کا مفکر اعظم تھا، اپنی صلاحیتوں کو معلم اوّل (ارسطو) کی تعلیمات کی توضیح و تبیین تک ہی محدود رکھا اور جن لوگوں نے ارسطو کی فکری شاہراہ سے ہٹ کر نئی شاہراہیں اختیار کیں جیسے زینون رواقی، کریسفورس، ایپیقورس، کارنیاڈیز، فلاطینوس، فرفوریوس، ایاملیخس وغیرہم، ان کی عظمت فکر کے باوجود ان کے فکری نظاموں کو دیرپائی نصیب نہ ہوسکی۔

---

[۵۸] قاضی صاعد اندلسی: طبقات الامم

[۵۹] ابن الندیم: کتاب الفہرست

[۶۰] امام غزالی: تہافت الفلاسفہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ارسطو کی منطقی تصانیف

لیکن ارسطو کا سب سے بڑا کارنامہ علمِ منطق کی تنظیم و تدوین ہے اور اسی لیے وہ مسلمانوں میں "صاحب المنطق" کہلاتا تھا، چنانچہ قاضی صاعد اندلسی نے لکھا ہے:

هو اول من خلص صناعة البرهان من سائر الصناعات المنطقية وصورها بالاشكال الثلاثة وجعلها آلة للعلوم النظرية حتى لقب صاحب المنطق وله في جميع العلوم الفلسفية كتب شريفة كلية وجزئية [11]

وہ پہلا فاضل ہے جس نے منطق کی دوسری صنعتوں سے فن "برہان" کو علیحدہ کرکے منظم کیا اور اس کی تین شکلیں قائم کیں اور اسے دیگر علومِ نظریہ کا آلہ بنایا، یہاں تک کہ وہ "صاحب المنطق" کے نام سے موسوم ہوا۔ اس نے تمام علومِ فلسفیہ میں نہایت اچھی کتابیں تصنیف کیں خواہ وہ علوم کلی ہوں یا جزئی۔

لہٰذا اس کی عظمتِ فکر سے متاثر ہو کر جاحظ نے جب اس کی کاوشوں کا عہدِ اسلام کے فلاسفہ منطقیین سے مقابلہ کیا تو اسے اعتراف کرنا پڑا:

فمتى كان رحمه الله تعالى ابن البطريق وابن ناعمة وابو قرة وابن فهر وابن وهيلي وابن المقفع مثل ارسطوطاليس [12]

مشاہیر منطقیین اسلام ابن البطریق، ابن ناعمہ، ابو قرہ، ابن فہر، ابن وہیلی اور ابن المقفع ارسطاطالیس جیسے کب ہو سکتے ہیں۔

ارسطاطالیسی عبقریت کا سب سے بڑا مظہر علمِ منطق کی تنظیم و تدوین ہے، جس کا ان سے پہلے نام بھی سننے میں نہیں آتا۔ چنانچہ وہ خود اپنی کتاب "سوفسطیقا" میں کہتا ہے، جیسا کہ قاضی صاعد اندلسی نے اس سے نقل کیا ہے:

واما صناعة المنطق وبناء السلوجسموس فلم نجد فيما خلا اصلاً متقدماً يبنى عليه۔ لكنا وقفنا على ذلك بعد الجهد الشديد والتعب الطويل۔ فهذه الصناعة وان كنا نحن ابتدعناها فقد حصنا جهتها وزممنا اصولها ولم نفقد شيئاً مما ينبغي ان يكون موجوداً فيها كما فقدت اوائل الصناعات لكنها كاملة مستحكمة مثبتة

---

[11] طبقات الامم

[12] التراث اليوناني في الاسلام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اساسہا مزعومۃ قواعدہا وتبنی بنیانہا معروفۃ غایاتہا واضحۃ اعلامہا [۱۳]

جہاں تک علم منطق اور سلوجسموس بنانے کا تعلق ہے تو گزشتہ زمانہ میں ہمیں کوئی ایسی بنیادی مثال نہیں ملی جس پر اس علم کی بنیاد رکھی جاتی، لیکن سخت کوشش اور پیہم محنت کے بعد ہمیں اس علم کے دریافت کرنے اور اسے منظم و مدون کرنے کی توفیق ہوئی۔ لہذا اگرچہ اس علم کو ہمیں نے پہلی مرتبہ ایجاد کیا ہے، مگر ہم نے اس کی مختلف جہات کو محفوظ کر دیا ہے اور اس کے مختلف اصول کو منظم کر دیا ہے، ہم نے اس فن کی کسی ایسی بحث کو نہیں چھوڑا جس کا ہونا مستحسن ہے، جس طرح متقدمین نے اس علم کو چھوڑ دیا تھا، اس کے برعکس ہماری تدوین کے بعد یہ فن کامل اور مستحکم ہو گیا ہے، اس کی اساس مضبوط ہے، اس کے قواعد منظم ہیں، اس کی بنیاد قابلِ اعتماد ہے، اس کی غرض و غایت معلوم و معروف ہے اور اس کی نشانیاں واضح ہیں۔

صناعت منطق کے سلسلے میں ارسطو نے جو کتابیں لکھی تھیں، مسلمان منطقیوں میں [اور غالباً ان سے قبل متاخر یونانی شارحین و مفسرین میں بھی] ان کی تعداد آٹھ تسلیم کی جاتی ہے۔ چنانچہ قاضی صاعد اندلسی نے "طبقات الامم" میں لکھا ہے:

واما الکتب التی فی الآلات المستعملۃ فی علوم الفلسفۃ فھی کتبہ الثمانیۃ المنطقیۃ التی لم یسبقہ احد ممن علمناہ الی تالیفھا ولا تقدمہ الی جمعھا۔

رہیں وہ کتابیں جو علومِ فلسفہ میں مستعمل ہونے والے آلات پر ہیں تو وہ اس کی منطق کی آٹھ کتابیں ہیں جن کی تالیف و تدوین کی جانب جہاں تک ہمارا علم ہے کسی نے سبقت نہیں کی اور نہ کسی نے اس سے پہلے انھیں جمع کیا۔

ابن الندیم نے "کتاب الفہرست" میں "الکلام علی کتبہ المنطقیۃ" کے زیرِ عنوان ان کے نام بدیں طور ثبت کیے ہیں [۱۴]:

۱- قاطیغوریاس	(CATEGORIAE)	یا کتاب المقولات
۲- باری ارمینیاس	(DE INTERPRETATIONE)	یا کتاب العبارۃ
۳- انالوطیقا	(ANALYTICA PRIOR)	یا کتاب القیاس
۴- ابودیقطیقا	(APODEICTICA)	یا کتاب البرہان

---

[۱۳] طبقات الامم

[۱۴] ابن الندیم: کتاب الفہرست

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۵۔ طوبیقا	(TOPICA)	یا کتاب الجدل
۶۔ سوفسطیقا	(SOPHISTIS)	یا کتاب الحکمۃ المموہہ
۷۔ ریطوریقا	(RHETORICA)	یا کتاب الخطابہ
۸۔ بوطیقا	(POIETICA)	یا کتاب الشعر

مسلمانوں کے فلسفیانہ ادب میں ان "کتبِ ہشتگانہ" کا قدیم ترین حوالہ مشہور عرب فلسفی الکندی کی کتاب "فی کمیۃ کتب ارسطاطالیس وما یحتاج الیہ فی تحصیل الفلسفۃ" میں ملتا ہے۔ پہلے تو وہ ارسطاطالیسی تصانیف کو چار بڑی قسموں یعنی منطقیات، طبیعیات، مابعد الطبیعیات اور اخلاقیات میں تقسیم کرتا ہے۔ پھر وہ منطق کی ان کتب ہشتگانہ کو متعارف کراتا ہے[15]

الکندی سے زیادہ منطقی انداز میں فارابی جو اس کی وفات کے کوئی آٹھ دس سال بعد پیدا ہوا تھا، منطق کے آٹھ اجزا کے یونانی اور عربی ناموں کو گنا تا ہے۔ پھر اپنے مخصوص انداز میں ان کے محتویات کی شرح و تفصیل بیان کرتا ہے[16]

---

[15] رسالۃ الکندی فی کمیۃ کتب ارسطوطالیس مشمولہ رسائل الکندی۔ مرتبہ ڈاکٹر عبدالہادی ابوریدہ نشر کردہ دار الفکر العربی بمصر ۱۹۵۰ء، ص ۳۶۴ - ۳۶۸ نیز، ص ۳۷۹ - ۳۸۲۔

[16] ابونصر الفارابی: احصاء العلوم، مرتبہ: ڈاکٹر عثمان امین استاذ تاریخ الفلسفہ بکلیۃ الآداب بجامعۃ فؤاد الاول، مطبوعہ مطبعۃ الاعتماد بمصر ۱۹۴۹ء، ص ۲۰ - ۲۷۔

© rasailojaraid.com